سورۂ نوح

(آیاتہا ۲۸) (۷۱ سُوْرَۃُ نُوْحٍ مَکِّیَّۃٌ ۷۱) (رکوعاتہا ۲)

یہ سورت مکی ہے، اس کی اٹھائیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ①

''بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف (اور فرمایا: اے نوح!) بروقت خبردار کرو اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ نازل ہو جائے ان پر عذاب الیم''۔

سورۂ اعراف میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام فرد ہیں جنہیں رسول بنا کر مبعوث کیا گیا۔ قتادہ نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ''پہلے رسول جنہیں مبعوث کیا گیا وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور انہیں تمام اہل زمین کی طرف مبعوث کیا گیا''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمین کو ہلاک کر دیا۔ ان کا نسب یہ ہے حضرت نوح بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ یہی حضرت ادریس ہیں بن یرد بن مہلائیل بن انوش بن قینان بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

وہب نے کہا: یہ سب مومن تھے۔ انہیں اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا جبکہ ان کی عمر پچاس سال تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی عمر چالیس سال تھی (1)۔ عبداللہ بن شداد نے کہا: انہیں مبعوث کیا گیا جبکہ ان کی عمر ساڑھے تین سو سال تھی۔ سورۂ عنکبوت میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمدللہ۔

اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ اصل میں بأن انذر تھا حرف جار کے حذف کی وجہ سے ان محل نصب میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا محل جر ہے کیونکہ ان کے ساتھ یہ عمل کرنے میں قوی ہے۔ یہ جائز ہے کہ ان مفسرہ ہو۔ اس کا اعراب میں کوئی محل نہیں ہوگا کیونکہ ارسال میں امر کا معنی پایا جاتا ہے اس لیے باء کو مضمر ماننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت عبداللہ کی قرأت میں اَنْ کے بغیر اَنْذِرْ قَوْمَكَ ہے۔ اس وقت معنی یہ ہوگا ہم نے اسے کہا: اپنی قوم کو ڈرایئے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز میں انذار کا معنی گزر چکا ہے۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ① حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد آخرت میں آگ کا عذاب ہے (2)۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد ہے جو طوفان کی صورت میں ان پر عذاب آیا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ ایمان نہ لائیں تو انہیں دردناک عذاب سے ڈرایئے۔ آپ اپنی قوم کو دعوت دیتے اور انہیں خبردار کرتے اور ان میں سے کسی فرد کو بھی دعوت

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 98		2۔ ایضاً		3۔ ایضاً

قبول کرنے والا نہ پاتے۔ لوگ آپ کو مارتے یہاں تک کہ ان پر غشی طاری ہو جاتی تو وہ کہتے: رب اغفر لقومی فانھم لا یعلمون (1) اے میرے رب! میری قوم کو بخش دے بے شک وہ مجھے نہیں جانتے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ۝ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۙ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

"آپ نے فرمایا: اے میری قوم! میں تمہیں صریح طور پر ڈرانے والا ہوں کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرو اور میری پیروی کرو، وہ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقررہ معیاد تک، بلاشبہ اللہ کا مقررہ وقت جب آجاتا ہے تو اسے موخر نہیں کیا جاسکتا، کاش! تم (حقیقت کو) جان لیتے"۔

قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ یعنی میں تمہیں ڈرانے والا ہوں۔ مُّبِيْنٌ ۝ میں تمہارے سامنے تمہاری اس زبان میں اظہار کرنے والا ہوں جسے تم پہچانتے ہو۔ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ، ان مفسرہ ہے جس طرح اَنْ اَنْذِرْ میں گزر چکا ہے۔ اعْبُدُوا اس کی وحدانیت کا اظہار کرو۔ وَاتَّقُوْهُ تم ڈرو۔ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ جس چیز کا میں تمہیں حکم دیتا ہوں اس میں میری اطاعت کرو۔ میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ جواب امر کی وجہ سے يَغْفِرْ کو جزم دی گئی ہے۔ مِّنْ زائد ہے۔ کلام کا معنی ہے وہ تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا زائدہ ہونا صحیح نہیں کیونکہ مِّنْ کا واجب میں اضافہ نہیں کیا جاتا (2)۔ یہ یہاں بعضیہ ہے۔ اس سے مراد بعض گناہ ہیں جو مخلوق کے حقوق سے متعلق نہ ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جنس کے بیان کے لیے ہے۔ اس میں بعد ہے کیونکہ اس سے پہلے کوئی جنس نہیں گزری جو اس کے مناسب ہو۔ زید بن اسلم نے کہا: معنی ہے اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے گناہوں سے نکالے (3)۔ ابن شجرہ نے کہا: معنی ہے جن گناہوں پر تم استغفار کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ان گناہوں کو بخش دے (4)۔

وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تمہاری عمروں میں مہلت دے گا۔ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی تخلیق سے پہلے ہی فیصلہ کر دیا تھا کہ اگر وہ ایمان لائے تو اللہ تعالیٰ ان کی عمروں میں برکت ڈال دے گا۔ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ان پر عذاب کو جلدی لے آئے گا۔ مقاتل نے کہا: تمہاری عمر کے آخری حصہ تک صحت و سلامتی کے ساتھ تمہیں مہلت دے گا اور قحط وغیرہ کے ساتھ سزا نہیں دے گا۔ اس تاویل کی بنا پر معنی یہ بنے گا تمہاری عمروں کے اختتام تک تمہیں عقوبات اور شدائد سے محفوظ رکھے گا۔ زجاج نے کہا: عذاب سے تمہیں مہلت دے گا تم کو ایسی موت نہیں مارے گا جو عذاب کے ساتھ جڑ کو ہی ختم کر دے؛ اس وجہ سے فرمایا: اَجَلٍ مُّسَمًّى یعنی ایسی موت تک جس کو تم پہچانتے ہو۔ وہ تمہیں غرق کر کے، جلانے کے ساتھ اور قتل کر کے نہیں مارے گا؛ فراء نے اس کا ذکر کیا۔ پہلے قول کی بنا وہ مدت اللہ تعالیٰ کے ہاں معروف ہے۔ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَاۗءَ لَا يُؤَخَّرُ جب موت آجاتی ہے اسے موخر نہیں کیا جاتا وہ موت عذاب کی صورت میں ہو

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 98 — 2۔ ایضاً — 3۔ ایضاً — 4۔ ایضاً

یا عذاب کے بغیر ہو۔ اجل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی کیونکہ اسی ذات نے انہیں ثابت کیا۔ بعض اوقات اس کی نسبت قوم کی طرف کی جاتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ (الاعراف: 34) کیونکہ یہ اجل ان کے لیے بیان کر دی گئی ہے۔ لو، ان کے معنی میں ہے یعنی اگر تم جانتے ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے اگر تم جانتے ہوتے تو اس کو جان لیتے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ وقت جب آ جائے تو اس میں تاخیر نہیں کی جاتی (1)۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۟ۙ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ۟

''نوح نے عرض کی: اے میرے رب! میں نے دعوت دی اپنی قوم کو رات کے وقت اور دن کے وقت لیکن میری دعوت کے باعث ان کے فرار (ونفرت) میں ہی اضافہ ہوا''۔

لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۟ کا معنی ہے مخفی طریقہ سے اور اعلانیہ طریقہ سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں نے پے در پے دعوت دی۔ فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْۤ اِلَّا فِرَارًا ۟ میری دعوت ایمان سے دور کرتی ہے۔ عام قرأت دعائی میں یاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ کوفہ کے قراء، یعقوب اور دوری نے ابو عمر سے اس کے سکون کی روایت نقل کی ہے۔

وَ اِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَ اَصَرُّوْا وَ اسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۟

''اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تا کہ تو ان کو بخش دے (تو ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر لپیٹ لیے اپنے کپڑے اور اڑ گئے کفر پر اور پرلے درجے کے متکبر بن گئے''۔

میں نے جب انہیں سبب مغفرت یعنی تیری ذات پر ایمان اور تیری طاعت کی طرف بلایا انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں تا کہ وہ میری دعوت کو نہ سن سکیں، انہوں نے اپنے چہروں کو اپنے کپڑوں سے ڈھانپ لیا تا کہ وہ مجھے دیکھ ہی نہ سکیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہوں نے اپنے کپڑے اپنے سروں پر ڈال لیے تا کہ وہ کلام نہ سن سکیں۔ کپڑوں کے استغشاء کا مطلب ہے کہ کانوں کو بند کرنے میں زیادتی کرنا تا کہ وہ اس آواز کو نہ سنیں یا اپنے آپ کو اجنبی بنانے کے لیے یہاں تک کہ وہ خاموش ہو جائے یا آپ سے اپنے اعراض کو ظاہر کرنے کے لیے ایسا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عداوت و دشمنی سے کنایہ ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: لَبِس لی فلان ثیاب العداوۃ اس نے میرے لیے عداوت کا لباس پہن لیا۔

اَصَرُّوْا انہوں نے کفر پر اصرار کیا اور توبہ نہ کی۔ وَ اسْتَكْبَرُوا انہوں نے قبول حق سے اپنی بڑائی کا اظہار کیا کیونکہ انہوں نے کہا: اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۟ (الشعراء) کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں جبکہ کمینے لوگوں نے آپ کی پیروی کی۔ اسْتِكْبَارًا بہت بڑا تکبر کیا۔

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۟ۙ ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۟

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 99

''پھر (بھی) میں نے ان کو بلند آواز سے دعوت دی، پھر انہیں کھلے بندوں سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں (تلقین) کی''۔

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ان کے لیے دعوت کو ظاہر کرتے ہوئے دعوت دی۔ جِهَارًا، دَعَوْتُهُمْ کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ دعوت کی قسموں میں جِهَارًا بھی ایک قسم ہے تو اس کو نصب اسی طرح دی گئی ہے جس طرح قرفصاء کو قعد کے ساتھ نصب دی گئی کیونکہ یہ بھی قعود کی ایک قسم ہے یا اس لیے کیونکہ دَعَوْتُهُمْ سے مراد جاھرتھم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ دعا فعل کے مصدر کی صفت ہو، تقدیر کلام یہ ہوگی دعاء جهارا، جِهَارًا۔ یہ مجاہر کے معنی میں ہے۔ یہ مصدر حال کی جگہ پر واقع ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی دعوتهم مجاهرا لهم بالدعوة میں نے انہیں دعوت دی اس حال میں کہ میں انہیں ظاہر دعوت دے رہا تھا۔

ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ میں نے کوئی صورت نہ چھوڑی۔ مجاہد نے کہا: اَعْلَنْتُ کا معنی ہے میں نے چیخ کر دعوت دی اور میں نے اپنی دعوت کو ان میں سے ایک دوسرے سے مخفی رکھا (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَسْرَرْتُ لَهُمْ میں ان کے گھروں میں گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے یہ سب کچھ ان کو دعوت دینے میں مبالغہ کے لیے تھا اور دعوت میں نرمی اور مہربانی کے طور پر تھا۔ حرم کے قاریوں اور ابو عمرو نے انی کی یاء کو فتحہ دیا ہے اور باقی قراء نے اسے سکون دیا ہے۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ۙ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ۙ وَّ یُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِیْنَ وَ یَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ یَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝

''پس میں نے کہا: (ابھی وقت ہے) معافی مانگ لو اپنے رب سے، بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے، وہ برسائے گا آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش، اور مدد فرمائے گا تمہاری اموال اور فرزندوں سے اور بنادے گا تمہارے لیے باغات اور بنادے گا تمہارے لیے نہریں''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

استغفار کی فضیلت

مسئلہ نمبر 1۔ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ایمان کے اخلاص کے ساتھ اپنے سابقہ گناہوں سے مغفرت کا سوال کرو۔ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ یہ اس کی جانب سے توبہ میں ترغیب ہے۔ حضرت حذیفہ بن یمان نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے فرمایا: الاستغفار ممحاة للذنوب (2) استغفار گناہوں کو مٹانے والی ہے۔ فضیل نے کہا: بندہ کہتا ہے: أستغفر الله اس کی تفسیر أقلني ہے یعنی میری غلطیوں سے درگزر فرما۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 101 2۔ ایضاً

توبہ کی فضیلت

مسئلہ نمبر 2۔ یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا ﴿۱۱﴾ وہ آسمان کا پانی برساتا ہے۔ اس کلام میں اضمار ہے۔ اصل یہ ہے یرسل ماء السماء۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: السماء، کا معنی ہی بارش ہے (1)۔ شاعر نے کہا:

إذا سقط السماءُ بأرضِ قومٍ رَعَیناہ وإن کانوا غِضابًا

جب بارش کسی قوم کے علاقہ میں ہوتی ہے تو ہم اس کے سبزہ کو چرتے ہیں اگرچہ وہ غضب ناک ہوں۔

مِّدۡرَارًا کثیر بارش والی۔ یُّرۡسِلِ کو جزم دی گئی ہے کیونکہ یہ جواب امر ہے۔ مقاتل نے کہا: جب انہوں نے طویل عرصہ تک حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا۔ چالیس سال تک ان کی عورتوں کے رحموں کو بانجھ کر دیا، ان کے جانور ہلاک ہو گئے اور کھیتیاں برباد ہو گئیں۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بارش کے برسنے کی التجا کی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اپنے رب سے بخشش طلب کرو، بے شک وہی بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔ یعنی جو بھی اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس کے ساتھ ہمیشہ اسی طرح کا سلوک کرتا ہے۔ پھر ایمان میں ترغیب دیتے ہوئے کہا: وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، بیٹوں اور اموال کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لیے باغات بنا دے گا اور تمہارے لیے نہریں بنا دے گا (2)۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کے نبی کو علم تھا کہ وہ دنیا کے بارے بڑے حریص ہیں تو فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف آؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں دنیا و آخرت ملتی ہے۔

استغفار پر مرتب ہونے والے نتائج

مسئلہ نمبر 3۔ اس آیت اور سورۂ ہود کی آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ استغفار کے ذریعے رزق اور بارش کو طلب کیا جاتا ہے۔ امام شعبی نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ استسقاء کے لیے نکلے تو استغفار سے زائد کچھ عمل نہ کیا یہاں تک کہ واپس آ گئے تو لوگوں پر بارش ہو گئی۔ لوگوں نے عرض کی: ہم نے آپ کو استسقاء کرتے ہوئے تو نہیں دیکھا؟ فرمایا: میں نے آسمان کے مجادیح سے بارش طلب کی جن کے ساتھ بارش کے برسنے کو طلب کیا جاتا ہے، پھر پڑھا اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا ﴿ۙ۱۰﴾ یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا ﴿۱۱﴾ امام اوزاعی نے کہا: لوگ بارش کو طلب کرنے کے لیے نکلے۔ ان میں بلال بن سعد بھی نکلے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر یوں گویا ہوئے: اے اللہ! ہم نے تجھے یہ کہتے ہوئے سنا مَا عَلَی الۡمُحۡسِنِیۡنَ مِنۡ سَبِیۡلٍ (التوبہ: 91) ہم نے گناہوں کا اعتراف کر لیا۔ تیری مغفرت نہیں مگر ہماری مثل لوگوں کے لیے۔ اے اللہ! ہمیں بخش دے، ہم پر رحم فرما اور ہمیں سیراب کر۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیئے اور لوگوں نے بھی اپنے ہاتھ اٹھا دیئے تو ان پر بارش کی گئی۔

ابن صبیح نے کہا: ایک آدمی نے حضرت حسن بصری کی خدمت میں خشک سالی کی شکایت کی۔ آپ نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کرو۔ ایک اور آدمی نے فقر کی شکایت کی۔ آپ نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کرو۔

1۔ تفسیر ابن عباس، جلد 2، صفحہ 907 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 101

ایک اور آدمی نے عرض کی: اللہ تعالیٰ کے حضور التجاء کیجئے کہ وہ بچہ عطا فرمائے۔ آپ نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حضور بخشش کی التجا کر۔ ایک اور آدمی نے باغ کے خشک ہونے کی شکایت کی۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار کر۔ ہم نے اس بارے میں ان سے عرض کی؟ فرمایا: میں نے اپنی جانب سے تو کچھ نہیں کہا۔ اللہ تعالیٰ سورۂ نوح میں ارشاد فرماتا ہے: اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۖ إِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۞ سورۂ آل عمران میں استغفار کی کیفیت گزر چکی ہے کہ وہ اخلاص کے ساتھ ہو اور گناہوں کو ختم کرنے کی صورت میں ہو۔ قبولیت میں یہی اصل ہے۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۞

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پرواہ نہیں کرتے اللہ کی عظمت و جلال کی حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے"۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: رجا یہاں خوف کے معنی میں ہے یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے کہ وہ تم میں سے کسی کو سزا دینے کی قدرت رکھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف کو ترک کرنے میں تمہارے پاس کیا عذر ہے۔ سعید بن جبیر، ابو العالیہ اور عطاء بن ابی رباح نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ثواب کی امید نہیں رکھتے اور اس کے عقاب سے نہیں ڈرتے (1)۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے عقاب سے نہیں ڈرتے اور اس سے ثواب کی امید رکھتے ہو۔ والبی اور عوفی نے ان سے روایت نقل کی ہے: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کو نہیں جانتے (2)۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال نہیں کرتے۔ مجاہد اور ضحاک نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کی پرواہ نہیں کرتے۔ قطرب نے کہا: یہ مجازی لغت ہے۔ بنو ہذیل، بنو خزاعہ اور بنو مضر کہتے ہیں لم ارج کا معنی ہے: میں پرواہ نہیں کرتا، وقار کا معنی عظمت ہے، توقیر کا معنی تعظیم ہے۔ قتادہ نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی جانب سے پکڑ کی امید نہیں رکھتے۔ گویا معنی یوں ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اللہ تعالیٰ سے ایمان پر جزا کی امید نہیں رکھتے۔ ابن کیسان نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی طاعت کے بارے میں یہ امید نہیں رکھتے کہ وہ تمہیں اس صورت میں بدلہ دے کہ تمہیں بھلائی عطا کر کے عزت دے۔ ابن زید نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طاعت نہیں کرتے (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا حق نہیں پہچانتے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر بجا نہیں لاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا وجہ ہے تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار نہیں کرتے کیونکہ جو اس کی عظمت کو تسلیم کرتا ہے تو وہ اس کی وحدانیت کا اعلان بھی کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وقار کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت قدم ہونا (4)۔ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَقَرْنَ فِيْ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 101
2۔ تفسیر ابن عباس، جلد 2، صفحہ 909
3۔ تفسیر ابن عباس، جلد 2، صفحہ 909
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 101

بُیُوْتِکُنَّ (الاحزاب:33) اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔ اس کا معنی ہے تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اثبات نہیں کرتے جبکہ وہ تمہارا الٰہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں (1)۔ کہا قول ابن بحر نے کیا ہے، پھر اس پر دلیل قائم کی۔ فرمایا: وَ قَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا۝ یعنی تمہاری ذات میں ایسی نشانی بنا دی جو اس کی وحدانیت پر دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اَطْوَارًا یعنی نطفہ، جما ہوا خون اور گوشت کا لوتھڑا (2)۔ یعنی خلقت کے مکمل ہونے تک مرحلہ بہ مرحلہ جس طرح سورۂ مومنون میں ہے۔ لغت میں طور سے مراد مرۃ (ایک دفعہ) ہے یعنی جس نے یہ عمل کیا اور اس پر قادر ہوا، وہ اس امر کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس کی عظمت بیان کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَطْوَارًا سے مراد ہے بچے، جوان پھر بوڑھے اور ضعیف پھر قوی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَطْوَارًا سے مراد انواع ہے، صحیح، مریض، بینا، نابینا، غنی اور فقیر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اطوار سے مراد اخلاق اور افعال میں ان کا مختلف ہونا ہے (3)۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے پیدا کیا ہے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ اور بنایا ہے چاند کو ان میں روشنی اور بنایا سورج کو (درخشاں) چراغ''۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۝ ان کے لیے ایک اور دلیل ذکر کی یعنی کیا تم نہیں جانتے کہ وہ ذات جو اس پر قادر ہے تو وہی اس امر کی مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔ طِبَاقًا کا معنی ہے ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہو۔ ہر آسمان دوسرے آسمان پر اس طرح ہے جس طرح قبہ ہوتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور سدی کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو سات زمینوں کے اوپر پیدا کیا (4)۔ ہر دو زمینوں اور دو آسمانوں کے درمیان مخلوق اور امر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان اَلَمْ تَرَوْا اخبار کے طریقہ پر ہے، آنکھوں سے مشاہدہ کے طریقہ پر نہیں جس طرح تو کہتا ہے اَلَمْ تَرَنِی کیف صنعت بفلانٍ کیا تو نہیں جانتا میں نے فلاں کے ساتھ کیا کیا ہے۔ طِبَاقًا اسے مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے نصب دی گئی ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی مطابقۃ طباقا یا یہ حال ہے اور ذات طباق کے معنی میں ہے۔ ذات کے لفظ کو حذف کر دیا گیا اور طباقا کو اس کے قائم مقام رکھ دیا گیا۔

وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا چاند کو دنیا کے آسمان میں نور بنا دیا (5) جس طرح کہا جاتا ہے: أتانی بنوتمیم وأتیت بنی تمیم مراد بنو تمیم کا بعض ہیں؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ ابن کیسان نے کہا: جب ان آسمانوں میں سے ایک آسمان میں ہو تو وہ ان سب میں ہے۔ قطرب نے کہا: فیھن، معھن کے معنی میں ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے یعنی سورج اور چاند کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے ساتھ پیدا کیا۔ اکثر علماء لغت نے امرء القیس کے قول میں فی کو مع کے معنی میں لیا ہے: ثلاثین شہرا فی ثلاثۃ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 101 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 457 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 102

4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 200 5۔ ایضاً

أحوال تین مہینے تین احوال کے ساتھ۔ نحاس نے کہا: میں نے ابوالحسن بن کیسان سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: نحویوں کا جواب تو یہ ہے کہ جب چاند کو ان میں سے ایک میں بنایا تو اسے ان سب میں بنایا جس طرح تو کہتا ہے: أعطنی الثیاب المُعَلَمَة اگرچہ وہ کپڑا جس میں نشانات ہوں، وہ ایک ہی کیوں نہ ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے: یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ چاند کا چہرہ آسمان کی طرف ہے۔ جب وہ آسمان کے اندر کی جانب ہے تو چاند آسمانوں سے متصل ہے۔ نُوۡرًا اہل زمین کے لیے نور بنا دیا (1)؛ یہ سدی کا قول ہے۔ عطا نے کہا: اہل آسمان اور اہل زمین کے لیے نور بنا دیا (2)۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر نے کہا: اس کا چہرہ اہل زمین کو روشنی دیتا ہے اور اس کی پشت آسمان والوں کو روشن کرتی ہے (3)۔

وَّ جَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا۝ یعنی اہل زمین کے لیے مصباح بنا دیا تا کہ وہ اپنی ضروریات زندگی کے لیے امور سرانجام دے سکیں۔ اہل آسمان کو روشنی دینے کے حوالے سے دو قول ہیں؛ ماوردی نے اسے بیان کیا ہے (4)۔ قشیری نے حضرت ابن عباس بن جبیر سے روایت نقل کی ہے کہ سورج کا چہرہ آسمان میں اور اس کی پشت زمین میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معاملہ اس کے برعکس ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا گیا: کیا وجہ ہے کبھی سورج ہمیں بھون کر رکھ دیتا ہے اور کبھی ہم پر ٹھنڈا ہو جاتا ہے (5)؟ فرمایا: یہ چوتھے آسمان میں ہوتا اور موسم سرما میں ساتویں آسمان میں رحمن کے عرش کے پاس ہوتا ہے۔ اگر یہ آسمان دنیا میں ہوتا تو کوئی چیز قائم نہ رہتی (☆)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَاللّٰهُ اَنۡۢبَتَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا۝ۙ ثُمَّ يُعِيۡدُكُمۡ فِيۡهَا وَيُخۡرِجُكُمۡ اِخۡرَاجًا۝

”اور اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے عجب طرح اگایا ہے، پھر لوٹا دے گا تمہیں اس میں اور (اسی سے) تمہیں (دوبارہ) نکالے گا“۔

یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو تمام روئے زمین سے پیدا کیا (6)؛ یہ ابن جریج کا قول ہے۔ سورۂ الانعام اور البقرۃ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ خالد بن معدان نے کہا: انسان کو کیچڑ سے پیدا کیا؛ اسی وجہ سے موسم سرما میں دل نرم ہو جاتے ہیں۔ نَبَاتًا یہ مفعول مطلق ہے مگر فعل کا اپنا مصدر نہیں کیونکہ اس کا مصدر یوں آتا ہے: أَنْبَتَ إِنْبَاتًا تو اسم جو نبات ہے اسے مصدر کی جگہ رکھا۔ اس کی وضاحت سورۂ آل عمران اور دوسری آیات میں گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر ہے جو معنی پر محمول ہے کیونکہ اَنۡۢبَتَكُمۡ کا معنی ہے تمہیں بنایا کہ تم نباتات اگاتے ہو؛ یہ خلیل اور زجاج نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہارے لیے زمین سے نبات کو اگایا۔ اس تعبیر کی بنا پر نَبَاتًا مصدر صریح کے طور پر منصوب ہے۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ ابن جریج نے کہا: تمہیں زمین میں چھوٹا ہونے کے بعد بڑا اور لمبا بنایا (7)۔ ثُمَّ يُعِيۡدُكُمۡ فِيۡهَا جب تمہیں موت آئے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 102　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً
5۔ ایضاً　7۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 102　8۔ ایضاً

☆ موسم سرما میں کائنات کے اسرار کے بارے میں جو بھی قول ذکر کیے جاتے ہیں قرآن میں کوئی حدیث مرفوع ہو وہ تشنہ ثابت ہو اور اس میں مجازی معنی کا احتمال نہ ہو تو اس کو تسلیم کرنا لازم ہے بصورت دیگر اقوال کے ماننے پر تسلیم کرنا کوئی لازم نہیں یہ غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ مترجم

گی تو دفن کرنے کے ساتھ تمہیں زمین میں لوٹا دے گا۔ وَ يُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا۝ قیامت کے روز حساب و کتاب کے لیے دوبارہ زمین سے نکالے گا۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا۝ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا۝

''اور الله نے ہی زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح بچھا دیا تا کہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو''۔

بساط کا معنی مبسوط ہے پھیلائی ہوئی (1)۔ السبل کا معنی راستے ہیں۔ فجاج یہ فجکی جمع ہے۔ اس سے مراد کھلا راستہ ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فج سے مراد ایسا راستہ ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان ہو۔ سورۃ الانبیاء اور سورۃ الحج میں بحث گزر چکی ہے۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا۝

''نوح نے عرض کی: اے میرے پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کرتے رہے جس کو نہ بڑھایا اس کے مال اور اولاد نے بجز خسارہ کے''۔

حضرت نوح علیہ السلام نے الله تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی شکایت کی کہ ان لوگوں نے ان کی نافرمانی کی اور آپ نے انہیں ایمان کے بارے میں جو حکم دیا اس کی اتباع نہ کی۔ اہل تفسیر نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک انہیں دعوت دیتے رہے جبکہ وہ کفر اور نافرمانی پر قائم رہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام آباء کے بعد بیٹوں سے امید رکھتے رہے، اولاد کے بعد اولاد آتی رہی یہاں تک کہ سات نسلوں تک معاملہ جا پہنچا۔ مایوس ہونے کے بعد ان کے حق میں بددعا کی۔ طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال زندہ رہے یہاں تک کہ لوگوں کی تعداد کثیر ہوگئی اور لوگ عام ہو گئے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم مہینہ میں دو دفعہ فصل کاشت کرتی تھی (3)؛ ماوردی نے اس کو ذکر کیا۔

وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَ وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا۝ انہوں نے اپنے ان معززین اور اغنیاء کی پیروی کی جن کے کفر، اموال اور اولاد نے اضافہ نہیں کیا مگر دنیا میں گمراہی اور ہلاکت کا۔ اہل مدینہ، اہل شام اور عاصم نے وولدہ واؤ اور لام کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے واؤ کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ ولد میں ایک لغت ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ وُلد کی جمع ہو جس طرح فُلْک یہ واحد اور جمع ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہو۔

وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا۝

''اور انہوں نے بڑے بڑے مکروفریب کیے''۔

كُبَّارًا یعنی بہت بڑا۔ یوں کہا جاتا ہے: کبیر، کبار، کبّار جس طرح عجیب، عجاب اور عجّاب سب کا ایک معنی ہے۔ اس کی مثل طویل، طوال اور طوّال ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجل حسن، رجل حسان، رجل جمیل، رجل جمال، قرّاء قاری کے لیے بولا جاتا ہے اور وضّاء روشن چہرے والے کے لیے بولا جاتا ہے۔ ابن سکیت نے یہ شعر پڑھا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 103 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

بَیْضَاء تَصْطَادُ القلوب وتَسْتَبِی بالحسن قَلْبَ المُسْلِمِ القُرَّاء

وہ سفید رنگ والی ہے، دلوں کا شکار کرتی ہے اور حسن کے ساتھ مسلمان قاری کے دل کو قیدی بناتی ہے۔ محل استدلال القراء ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

والمَرْءُ يُلْحِقُه بِفِتْيَانِ النَّدَى خُلُقُ الكريم وليس بالوضَّاءِ(1)

انسان کے اچھے اخلاق سخی لوگوں کے ساتھ لاحق کر دیتے ہیں جبکہ وہ روشن چہرے والا نہ ہو۔

مبرد نے کہا: کبّار جب تشدید کے ساتھ ہو تو یہ مبالغہ کے لیے آتا ہے۔ ابن محیصن، حمید اور مجاہد نے کبارا جب تشدید کے ساتھ پڑھا ہے ان کے مکر میں اختلاف ہے کہ وہ کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کمینے لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے قتل پر برانگیختہ کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ صاحب مال اور صاحب اولاد کی جو عزت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ کمزور لوگوں نے کہا: اگر یہ لوگ حق پر نہ ہوتے تو انہیں یہ نعمتیں نہ دی جاتیں۔ کلبی نے کہا: انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے جو بیوی اور بچے بنائے تھے(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے مکر سے مراد ان کا کفر ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد ان کے بڑوں کو چھوٹوں کا یہ کہنا تھا: لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ﴿۲۳﴾ (نوح:23)

وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ نَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

"اور رئیسوں نے کہا: (اے لوگو! نوح کے کہنے پر) ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور (خاص طور پر) ود اور سواع کو مت چھوڑنا اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو اور انہوں نے گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو، (الٰہی) تو بھی ان کی گمراہی میں اضافہ کر دے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے: یہ بت اور تصاویر تھیں۔ پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ان کی عبادت کرتی تھی پھر عربوں نے ان کی پوجا کی؛ یہ جمہور کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عربوں کے بت تھے۔ کسی اور نے ان کی عبادت نہیں کی۔ یہ ان کے بڑے اور عظیم بت تھے، اسی وجہ سے لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ کے بعد ان کا ذکر کیا۔ کلام کا معنی وہی بنتا ہے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیروکاروں سے کہا: لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ عربوں نے اپنی قوم، اولاد سے کہا: تم ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو نہ چھوڑنا۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے متعلق ہے۔ عروہ بن زبیر اور دوسرے علماء نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام بیمار ہوئے جبکہ آپ کے یہ بیٹے آپ کے پاس موجود تھے(3)۔ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر۔ ود ان سے بڑا اور سب سے نیک تھا۔

محمد بن کعب نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے۔ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر، یہ سب بڑے عبادت

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 376
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 104
3۔ ایضاً

گزار تھے۔ ان میں سے ایک فوت ہو گیا تو وہ اس پر غمگین ہوئے۔ شیطان نے کہا: میں اس جیسی تمہارے لیے تصویر بنا دیتا ہوں۔ جب تم اسے دیکھو گے تو تم اسے یاد کرو گے۔ انہوں نے کہا: اس طرح بنا دو۔ شیطان نے پیتل اور سکے سے مسجد میں اس کی تصویر بنا دی، پھر دوسرا فوت ہوا تو شیطان نے اس کی تصویر بھی بنا دی یہاں تک کہ وہ سب فوت ہو گئے تو اس نے ان سب کی تصویریں بنا دیں۔ اشیاء میں کمی آتی رہی جس طرح آج اشیاء میں کمی آتی ہے یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو ترک کر دیا۔ شیطان نے ان سے کہا: کیا وجہ ہے تم کسی شی کی عبادت نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا: ہم کس کی عبادت کریں؟ اس نے کہا: اپنے معبودوں کی اور اپنے آباء کے معبودوں کی، کیا تم نماز پڑھنے کی جگہ میں نہیں دیکھتے؟ تو ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے کہا: تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور تم ود اور سواع کو نہ چھوڑنا۔

محمد بن کعب اور محمد بن قیس نے کہا: وہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان صالح لوگ تھے۔ ان کے کچھ لوگ پیروکار تھے جو ان کی اقتدا کیا کرتے تھے جب وہ فوت ہو گئے ابلیس نے ان کے لیے اس امر کو مزین کیا کہ وہ ان کی صورتیں بنائیں تاکہ ان تصویروں کی مدد سے ان کی کاوشوں کو یاد کرتے رہیں اور انہیں دیکھ کر تسلی حاصل کرتے رہیں تو شیطان نے ان کی تصویریں بنا دیں۔ جب وہ لوگ مر گئے اور دوسرے لوگ آئے انہوں نے کہا: کاش! ہم جانتے کہ ہمارے آباء ان تصویروں کے ساتھ کیا کچھ کرتے تھے؟ شیطان ان کے پاس آیا اور کہا: ان کے آباء ان کی عبادت کیا کرتے تھے تو یہ ان پر رحم کرتے اور ان پر بارش برساتے۔ ان لوگوں نے ان تصویروں کی عبادت کی تو بتوں کی عبادت اس وقت سے شروع ہوئی۔

میں کہتا ہوں: مسلم شریف میں جو حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ اس معنی کی تفسیر بیان کرتی ہے، حضرت ام حبیبہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک کنیسہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا جو انہوں نے حبشہ میں دیکھا تھا جسے ماریہ کہتے تھے جس میں تصاویر تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب ان میں کوئی صالح آدمی ہوتا تو اس کی قبر پر وہ مسجد بنا دیتے اور اس میں وہ تصویریں بنا دیتے تھے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ تمام مخلوق سے برے لوگ ہوں گے“ (1)۔

شعبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ بت حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے صالح افراد کے نام تھے جب یہ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی قوم کی طرف الہام کیا جب مجلسوں میں وہ بیٹھا کرتے تھے کہ ان مجلسوں میں کوئی نشان کھڑا کر دو اور انہیں ان کے نام دے دو۔ ان کے ذریعے تم انہیں یاد رکھو گے تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ان کی عبادت نہ کی گئی یہاں تک کہ یہ لوگ ہلاک ہو گئے اور علم ناپید ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کی عبادت کی جانے لگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام ہند کے ایک پہاڑ پر حضرت آدم علیہ السلام کے جسد اطہر کی

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، النهی عن بناء المساجد علی القبور، جلد 1، صفحہ 201

حفاظت کرتے تھے اور کافروں کو ان کی قبر کا طواف کرنے سے منع کرتے تھے۔ شیطان نے انہیں کہا: یہ لوگ تم پر فخر کرتے ہیں اور گمان رکھتے ہیں کہ صرف یہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں تم ان کی اولاد نہیں ہو۔ یہ تو صرف جسم ہے۔ میں اسی جیسی تمہارے لیے تصویر بنا دیتا ہوں جس کا تم طواف کر لینا۔ اس نے ان کے لیے ان پانچ بتوں کی تصویر بنا دی اور ان کی عبادت پر انہیں برانگیختہ کیا، جب طوفان کے دن آئے تو کیچڑ، مٹی اور پانی نے انہیں دفن کر دیا۔ یہ دفن ہی رہے یہاں تک کہ شیطان نے انہیں مشرکین عرب کے لیے باہر نکالا۔ ماوردی نے کہا: جہاں تک ود کا تعلق ہے تو وہ پہلا بت ہے جس کی عبادت کی گئی اسے ود کا نام دیا گیا کیوں لوگ اس سے محبت کرتے تھے (1)۔ قوم نوح کے بعد یہ دومة الجندل میں بنو کلب کا بت تھا، یہ حضرت ابن عباس، عطا اور مقاتل کا قول ہے؛ اسی کے بارے میں ان کا شاعر کہتا ہے:

حَيَّاكَ وَدٌّ فإنّا لا يحلّ لنا لَهْوُ النساء وإن الدين قد عَزَمَا (2)

ود تجھے زندہ رکھے ہمارے لیے عورتوں کے ساتھ لہو و لعب حلال نہیں، بے شک دین پختہ ہو چکا ہے۔

جہاں تک سواع کا تعلق تھا تو یہ ساحل سمندر پر بنو ہذیل کا بت تھا (3)۔ یہ ان کا قول ہے۔ جہاں تک یغوث کا تعلق ہے یہ مراد میں سے غطیف کا بت تھا جو سبا کے علاقہ میں جوف کے مقام پر تھا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ پہلے مراد قبیلہ کا بت تھا پھر بنو غطفان کا ہو گیا۔ ثعلبی نے کہا: بنو علی، بنو انعم جو طے سے تعلق رکھتے تھے اور اہل جرش نے مذحج سے یغوث کو لیا اور اسے مراد قبیلہ کی طرف لے گئے اور طویل زمانہ تک اس کی عبادت کرتے رہے۔ پھر بنو ناجیہ نے اعلیٰ اور انعم سے یہ بت چھیننے کا ارادہ کیا اور اسے حصین کی طرف لے گئے جو خزاعہ سے بنی حارث بن کلاب سے تعلق رکھتا تھے۔ ابو عثمان نہدی نے کہا: میں نے یغوث کو دیکھا جو سکے سے بنا ہوا تھا۔ وہ اسے ایسے اونٹ پر لادتے جس میں حرد کی بیماری ہوتی۔ وہ اس کے ساتھ چلتے وہ اسے جھڑکتے نہیں تھے یہاں تک کہ وہ خود ہی بیٹھ جاتا۔ جب وہ بیٹھ جاتا تو وہ ڈیرہ ڈال لیتے اور کہتے اس نے تمہارے لیے منزل کو پسند کر لیا ہے۔ وہ اس پر عمارت بنا لیتے اور خود اس کے اردگرد پڑاؤ ڈال لیتے۔

جہاں تک یعوق کا تعلق ہے تو یہ بلخع کے مقام پر ہمدان کا بت تھا؛ یہ عکرمہ، قتادہ اور عطا کا قول ہے۔ ماوردی نے اس کا ذکر کیا ہے (4)۔ ثعلبی نے کہا: جہاں تک یعوق کا تعلق ہے یہ سبا کے کیلان قبیلہ کا تھا۔ پھر ان کی اولاد اس کی وارث بنتی رہی۔ بڑا پھر بڑا یہاں تک کہ یہ ہمدان تک سلسلہ پہنچا۔

جہاں تک نسر کا تعلق ہے یہ حمیر قبیلہ کی ذی الکلاع شاخ کا بت تھا (5)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ اسی کی مثل مقاتل سے مروی ہے۔ واقدی نے کہا: ود انسان کی صورت میں تھا، سواع ایک عورت کی صورت میں تھا، یغوث شیر کی صورت پر تھا، یعوق گھوڑے کی صورت پر تھا، نسر یہ گدھ کی صورت پر تھا۔ الله تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ نافع نے ولا تذرن ودا پڑھا ہے یعنی واؤ کو ضمہ دیا ہے باقی نے اسے فتحہ دیا ہے۔ لیث نے کہا: ود (واؤ کے فتحہ کے ساتھ) ایک بت تھا جو قوم نوح کا تھا۔ ود یہ قریش کا ایک بت تھا، اسی کے نام پر عمرو بن ود نام رکھا گیا۔ صحاح میں ہے الود اہل نجد کی لغت میں الوتد تھا گویا انہوں نے تاء کو ساکن کیا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 104 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

اور اسے دال میں مدغم کر دیا۔ امراء القیس کے شعر میں الود کا لفظ ہے جس سے مراد الوتد ہے:

تُظْهِرُ الوَدَّ إذا ما أَشْجَذَتْ وتُوارِيه إذا ما تَعْتَكِرْ

وہ ود کو ظاہر کرتا ہے جب وہ بادل چھٹ جائے اور جب سخت ہو جائے تو اسے چھپا لیتا ہے۔

ابن درید نے کہا: یہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ وَدّ ایک بت تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کی ایک قوم کا تھا۔ پھر یہ بنی کلب کے لیے ہو گیا۔ یہ دومۃ الجندل کے مقام پر نصب تھا۔ اسی مناسبت سے انہوں نے عبد ود نام رکھا۔ اور فرمایا: لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ پھر فرمایا: لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا اس کا خصوصاً ذکر کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ (الاحزاب: 7)

وَ قَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ یہ حضرت نوح علیہ السلام کا قول ہے یعنی ان میں سے بڑوں نے بہت سے پیروکاروں کو گمراہ کیا۔ اس کا عطف وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، یعنی ان کے سبب سے بہت سے لوگ گمراہ ہو گئے؛ اسی کی مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کا تذکرہ ہے: رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ (ابراہیم: 36) اے میرے رب! انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ ذوی العقول کا وصف ان پر جاری کیا گیا ہے کیونکہ کفار ان کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے تھے۔

وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۞ ضلال سے مراد عذاب ہے (1)؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے دلیل قائم کی گئی ہے: اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ۞ (القمر) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں ضلال سے مراد خسارہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مال اور اولاد کا فتنہ ہے۔ اس کا احتمال موجود ہے۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ۬ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۞

"اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرق کر دیا گیا، پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا، پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار"۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا، ما زائدہ ہے، برائے تاکید ہے اس کا معنی ہے ان کی خطاؤں کے باعث۔ فراء نے کہا: ان کی خطاؤں کی وجہ سے۔ ما نے یہ معنی دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما مجازات پر دال ہے۔ ابو عمرو کی قرأت خطایاھم جمع مکسر کے طور پر ہے۔ اس کا واحد خطیہ ہے۔ جمع میں اصل طریقہ تو یہ تھا کہ وہ خطائی ہوتا جو فعائل کے وزن پر ہے جب دو ہمزے جمع ہو گئے تو دوسرے ہمزہ کو یاء سے بدل دیا کیونکہ اس سے قبل کسرہ ہے پھر اس میں ثقل پیدا ہو گیا اور جمع ثقیل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ معتل بھی ہے تو یاء کو الف سے بدل دیا، پھر پہلے ہمزہ کو یاء سے بدل دیا کیونکہ دو ہمزوں کے درمیان اس میں خفاء ہوتا ہے۔ باقی قراء نے اسے خطیئاتھم جمع سالم کے طریقہ پر پڑھا ہے۔ ابو عمرو نے کہا: یہ ایسی قوم تھی جنہوں نے ہزار سال تک کفر کیا تو ان کی خطاؤں کے علاوہ کوئی چیز نہ تھی۔ اس سے یہ ارادہ کیا کہ عطایا، عطیات سے زیادہ ہوتی ہیں۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 105

ایک قوم نے کہا: خطایا اور خطیات ایک ہی ہیں۔ دونوں جمع کے صیغے ہیں، کثرت اور قلت میں استعمال ہوتے ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اسی فرمان سے استدلال کیا ہے: مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ (لقمان: 27) شاعر نے کہا:

لنا الجَفَنَاتُ الغُرُّ يلمَعْنَ بِالضُّحَى وأسيافُنَا يَقْطُرْنَ مِنْ نَجْدةٍ دَمًا

ہمارے لیے سفید بڑے پیالے ہیں جو چاشت کے وقت چمکتے ہیں اور ہماری تلواریں معزز لوگوں کے خون کے قطرے ٹپکاتی ہیں۔

اسے خطیئاتهم بھی پڑھا گیا ہے اور اسے خطیاتهم بھی پڑھا گیا ہے ہمزہ کو یاء سے بدل دیا گیا اور ایک یاء کو دوسری یاء میں ادغام کر دیا گیا۔ جحدری، عمرو بن عبید، اعمش، ابوحیرہ اور اشہب عقیلی نے خطیئتهم واحد کا صیغہ پڑھا ہے۔ مراد شرک ہے۔

فَاُدْخِلُوْا نَارًا انہیں غرق کرنے کے بعد آگ میں داخل کر دیا گیا۔ قشیری نے کہا: یہ آیت عذاب قبر پر دلالت کرتی ہے۔ عذاب قبر کے منکرین یہ کہتے ہیں: وہ آگ میں داخل ہونے کے مستحق بن چکے ہیں یا جہنم میں ان کی جو جگہ ہے اسے ان پر پیش کیا گیا جس طرح فرمایا: اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا (غافر: 46) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر ایک روایت میں ہے: اَلْبَحْرُ نَارٌ فِي نَارٍ سمندر بھی جہنم میں ایک آگ ہے۔ ابوروق نے ضحاک سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے یعنی انہیں آگ کے ساتھ عذاب دیا گیا جبکہ انہیں دنیا میں غرق کیا گیا تھا۔ یہ ایک ہی حالت میں ہیں۔ وہ ایک جانب میں غرق ہوتے تھے اور پانی میں ایک جانب سے جلتے تھے(1)؛ ثعلبی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ابوالقاسم حبیبی، ابوسعید احمد بن محمد بن رمیح سے وہ ابوبکر بن انباری سے یہ اشعار نقل کرتے ہیں:

الخلق مجتمع طَوْرًا ومفترِق والحادِثَات فُنُونٌ ذاتُ أطوارِ

لاتعجبنّ لأضدادٍ إنِ اجتمعتْ فاللهُ يجمع بين الماءِ والنارِ

مخلوق کسی مرحلہ میں جمع ہوتی ہے اور کسی مرحلہ میں جدا ہو جاتی ہے۔ حادثات مختلف انداز کے ہیں اور کئی مراحل میں واقع ہوتے ہیں۔ اگر اضداد جمع ہو جائیں تو تو تعجب نہ کر، اللہ تعالیٰ پانی اور آگ کو جمع فرما دیتا ہے۔

فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۝ وہ کوئی ایسی ذات نہیں پائیں گے جو ان سے عذاب کو دور کر دے۔

وَ قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝

"اور نوح نے عرض کی: اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔ اگر تو نے ان میں کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار سخت ناشکر گزار ہو گی"۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 459

اس میں چار مسائل ہیں:

حضرت نوح علیہ السلام نے کب بددعا کی

مسئلہ نمبر 1۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے بارے میں اس وقت بددعا کی جب آپ مایوس ہو گئے کہ وہ لوگ آپ کی اتباع کریں گے۔ قتادہ نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے بعد بددعا کی جب اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (ھود: 36) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور ان کی امت کو غرق کر دیا۔ یہ بھی اسی طرح ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللّٰھُمّ منزل الکتاب سریع الحساب وھازم الاحزاب اھزمھم وزلزلھم (1) اے اللہ! اے کتاب کو نازل فرمانے والے، اے جلد حساب لینے والے اور لشکروں کو شکست دینے والے! انہیں شکست دے دے اور ان میں زلزلہ برپا کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کی بددعا کا سبب یہ بنا کہ آپ کی قوم کا ایک آدمی اپنے چھوٹے بچے کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھا (2)۔ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس سے گزرا اور اپنے بچے سے کہا: اس سے بچ کر رہنا یہ تجھے گمراہ کر دے گا۔ اس بچے نے کہا: اے میرے ابا! مجھے نیچے اتارنا! اس کے باپ نے اسے نیچے اتارا۔ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو پتھر مارا اور آپ کو زخمی کر دیا۔ اس وقت حضرت نوح علیہ السلام غضب ناک ہوئے اور لوگوں کے خلاف بددعا کی۔

محمد بن کعب، مقاتل، ربیع، عطیہ اور ابن زید نے کہا: اس وقت بددعا کی جب اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کو ان کی پشتوں اور ان کی عورتوں کے رحموں سے نکال لیا تھا اور عذاب سے ستر سال پہلے ان کی عورتوں کی رحموں اور مردوں کی پشتوں کو بانجھ کر دیا تھا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا تھا: چالیس سال پہلے بانجھ کر دیا تھا۔ قتادہ نے کہا: عذاب کے وقت ان میں کوئی بچہ نہیں تھا۔ حضرت حسن بصری اور ابوالعالیہ نے کہا: اگر اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ان کے بچوں کو بھی ہلاک کر دیتا تو یہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عذاب ہوتا اور ان میں عدل ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے بچوں اور ان کی اولادوں کو عذاب کے بغیر ہلاک کر دیا، پھر عذاب کے ساتھ ان کو ہلاک کر دیا (4)۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَ قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ (الفرقان: 37)

کن لوگوں کے خلاف دعا جائز ہے

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: حضرت نوح علیہ السلام نے کافروں کے خلاف بددعا کی (5) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے خلاف بددعا کی جنہوں نے مومنوں کے خلاف اکٹھ کیا تھا۔ فی الجملہ یہ بھی کافروں کے خلاف ہی دعا تھی جہاں تک معین کافر کا تعلق ہے تو اس کا خاتمہ معلوم نہیں ہوتا، اس لیے اس کے خلاف بددعا نہیں کی جاتی کیونکہ اس کا انجام ہمارے نزدیک مجہول

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، الدعاء علی المشرکین بالھزیمۃ، جلد 1، صفحہ 410

2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 105

3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 460

4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 201

5۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1861

ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا خاتمہ سعادت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ، شیبہ اور ان دونوں کے ساتھیوں کے بارے میں بددعا کی کیونکہ ان کے انجام کا آپ کو علم تھا اور ان کے حال کے بارے میں پردے کو ہٹا دیا گیا تھا۔

میں کہتا ہوں: یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں تفصیلی گزر چکا ہے۔ الحمد للہ۔

حضرت نوح علیہ السلام کا بددعا کی وجہ بیان کرنا

مسئلہ نمبر 3۔ ابن عربی نے کہا: اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے خلاف دعا کو آخرت میں مخلوق کی شفاعت سے توقف کا سبب کیوں بنایا ہے(1)؟ ہم عرض کریں گے: لوگوں نے اس بارے میں دو وجہیں ذکر کی ہیں۔ (۱) وہ دعا غضب اور سختی کی وجہ سے پیدا ہوئی جبکہ شفاعت تو رضا اور نرمی کی وجہ سے ہوتی ہے تو آپ کو خوف ہوا کہ کہیں اس پر عتاب نہ ہو اور یہ نہ کہا جائے تو نے کل (دنیا میں) کفار کے خلاف بددعا کی اور آج ان کے حق میں شفاعت کرتے ہو۔ (۲) انہوں نے نص اور واضح اجازت کے بغیر ناراضگی کے عالم میں بددعا کی تھی تو قیامت کے روز اس پر وبال کا خوف محسوس ہوا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: انی قتلت نفسالم أومر بقتلها میں نے ایک ایسے نفس کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا۔ کہا: میں بھی یہی قول کرتا ہوں۔

میں کہتا ہوں: اگرچہ بددعا کرنے کا صریح حکم نہیں تھا تاہم آپ کو یہ کہا گیا تھا: اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (ہود: 36) اس نے آپ کو ان کے انجام سے آگاہ کر دیا تو آپ نے ان کے خلاف ہلاکت کی بددعا کی جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شیبہ، عتبہ اور ان جیسے لوگوں کے خلاف بددعا کی اور یہ الفاظ کہے: اللّٰھم علیك بھم جب ان کے انجام کا علم ہو گیا۔ اس تعبیر کی بنا پر اس میں بددعا کرنے کے امر کا معنی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسئلہ نمبر 4۔ دَيَّارًا ۞ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَ لَا يَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۞ یعنی جو گھروں میں رہتا ہے(2)؛ یہ سری کا قول ہے۔ اصل میں یہ دیوار تھا۔ یہ فیعال کا وزن ہے۔ یہ دار، یدور سے مشتق ہے، واؤ کو یاء سے بدل دیا اور ان میں سے ایک یاء کو دوسری یاء میں ادغام کر دیا جس طرح قیام، اصل میں یہ قیوام تھا۔ اگر یہ فعال کا وزن ہوتا تو یہ دوار ہوتا۔ قتبی نے کہا: اصل میں یہ دار ہے یعنی گھر میں فروکش ہونے والا یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما بالدار دیار یعنی کوئی بھی نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الدیار سے مراد گھر والا ہے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۞

"میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور بخش دے سب مومن مردوں اور عورتوں کو، اور کفار کی کسی چیز میں اضافہ نہ کر بجز ہلاکت و بربادی کے"۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنے والدین کے لیے دعا کی۔ وہ دونوں مومن

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1861
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 105

تھے۔ لمک بن متوشلخ وشمخی بنت انوش؛ قشیری اور ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے آپ کی والدہ کا نام منجل بتایا ہے (1)۔ سعید بن جبیر نے کہا: والدیہ سے انہوں نے باپ اور دادا مراد لیا ہے۔ سعید بن جبیر نے لوالدی دال کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ واحد کا صیغہ ہے۔ کلبی نے کہا: ان کے اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان دس آباء ہیں۔ سب کے سب مومن تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت نوح اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان کسی فرد (والد) نے کفر نہیں کیا۔ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا بیت سے مراد مسجد، مصلّٰی ہے، اس حال میں کہ وہ نماز پڑھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق کرتا ہو۔ انبیاء کے گھروں میں وہی داخل ہوتا جو ان میں سے مومن ہوتا تو مسجد کو مغفرت کی دعا کا سبب بنا دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الملائكةُ تُصَلِّي على أحدكم ما دام في مجلسه الذي صلّٰى فيه ما لم يحدث فيه تقول اللّٰهمّ اغفر لَه اللّٰهمّ ارحمه (2) فرشتے تم میں سے ہر ایک کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اس مجلس میں رہے جس میں اس نے نماز پڑھی ہو جب تک اسے حدث لاحق نہ ہو۔ اے اللہ! اسے بخش دے۔ اے اللہ! اس پر رحم فرما۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ بَيْتِيَ سے مراد میری مسجد ہے (3)؛ ثعلبی نے یہی حکایت بیان کی ہے؛ اور ضحاک نے یہی کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: جو میرے دین میں داخل ہوا۔ یہاں بیت، دین کے معنی میں ہے۔ قشیری نے اس کی حکایت بیان کی ہے اور جو یبر نے بھی یہی کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: میرا وہ دوست جو میرے گھر میں داخل ہو (4)؛ ماوردی نے اس کی حکایت بیان کی ہے (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَيْتِيَ سے مراد میرا گھر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد میری کشتی ہے۔

وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ قیامت تک مومنوں اور مومنات کو عام ہے (6)؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے مومنین اور مومنات مراد ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کی قوم کے مومنین اور مومنات مراد ہیں جبکہ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ ظالمین سے مراد کافر ہیں (7)۔ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾ مگر ہلاکت۔ یہ ہر کافر اور مشرک کو عام ہے (8)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی قوم کے مشرک مراد ہیں۔ تبار کا معنی ہلاکت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خسران مراد ہے (9)؛ دونوں معانی سدی نے بیان کیے ہیں؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ (اعراف: 139) ایک قول یہ کیا گیا ہے: تبار کا معنی دمار یعنی ہلاک کر دینا ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ وہی صحیح امر کو جاننے کی توفیق دینے والا ہے۔

الحمد للہ أوّلاً و آخرًا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 105 | 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1816
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 106 | 4۔ ایضاً | 5۔ ایضاً | 6۔ ایضاً
7۔ ایضاً | 8۔ ایضاً | 9۔ ایضاً